افسانہ ''خوشبو'' کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر اویس احمد بٹ

تلخیص: کشمیر میں اردو فکشن کا موجودہ منظر نامہ تشفی بخش ہے۔ جہاں ایک طرف اردو فکشن کی روایت میں کئی بڑے نام موجود ہیں وہیں نئے لکھنے والوں نے بھی اردو فکشن کی نئی شعریات کے تناظر سے غیر معمولی تخلیقی و تخیلی عناصر سے بھرپور فکشن تخلیق کیا ہے۔ افسانہ ''خوشبو'' بھی تخلیقی اعتبار سے ایک کامیاب افسانہ قرار دیا جاسکتا ہے؛ لیکن بعض فنی کمزوریوں نے کرافٹ کو متاثر کیا ہے۔ فکشن کی تنقید کا معاملہ اتنا بھی آسان نہیں ہے جتنا پہلی نظر میں لگتا ہے۔ مذکورہ افسانے کی تنقید فکشن شعریات کے تناظر سے کیا گیا ہے؛ جس کا بنیادی مقصد افسانے کو تخلیقی اعتبار سے پرکھ کر اس کی قدر و قیمت کا تعین کرنا ہے۔

کلیدی الفاظ: فکشن شعریات، ادب کی ادبیت، بیانیہ، روایتی افسانے کی شعریات، اسلوبیاتی خصائص

رولاں بارتھ نے کہا تھا کہ ''The text can be read without the guarentee of its father.۔ اس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہے کہ معنی خیزی کے تفاعل میں تخلیق کار فن پارے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ہے۔ ہاں البتہ متن کی وجودیاتی تعبیر (Ontological Interpretation) میں، جہاں ادبی اور فنی اصولوں کی روشنی میں فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین کیا جاتا ہے، تخلیق کار کی ضمانت کی ضرورت متن کی علمیاتی تعبیر (Epistemological Interpretation) کے بہ نسبت کم پڑتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین ادبی و فنی اصول و ضوابط

کی روشنی میں کیا جاتا ہے، وہاں ادب کی ادبیت (Literariness of Literature) اور تخلیقیت کے جملہ اوصاف کی تلاش معنی خیزی کے تفاعل کا اہم مرحلہ تصور کیا جاتا ہے۔ افسانہ ''خوشبو'' کا واقعہ آج کے تہذیبی و معاشرتی بحران سے خوف زدہ زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ دیکھا جائے تو واقعہ انوکھا یا اچھوتا بھی نہیں ہے۔ لیکن افسانہ نگار نے اگر اس واقعے کا انتخاب کیا ہے تو یقیناً اپنے قاری کو کسی اہم مسئلے کے تعلق سے نئی بصیرتیں عطا کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ یہاں شمس الرحمٰن فاروقی کی بات برمحل معلوم ہوتی ہے کہ ''بیان کرنے والے نے واقعے کو بیان کرنے کے لائق سمجھا۔ بیان کرنے والے نے واقعے میں کوئی خاص معنی دیکھے ہوں گے۔'' شاید ہی ہم میں سے کوئی اس بات کا انکار کرسکتا ہے کہ انسانی تمدن میں انتشار اور اختلال کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ اُس پر طرہ یہ کہ موجودہ دور کا فرد ہر سطح پر معاملاتِ زندگی میں منتشریت سے دوچار ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی کی تاریخ میں خارجی و داخلی تضاد و تناقص بھی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ البتہ اخلاقی بندشوں کی پاس داری سے عالم تمکین و ضبط میں جگہ پاکر شیرازیت ممکن ہے۔ دیکھا جائے تو انسانی رشتوں کی شیرازیت بھی اخلاقی بندشوں کی پاس داری سے مشروط ہے۔ مذکورہ افسانے میں بھی ایک خوب صورت انسانی رشتے یعنی ازدواجی رشتے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ازدواجی رشتے کی جڑیں اخلاقی بندشوں کی پاس داری کے ساتھ ساتھ اعتماد سے مضبوط ہوجاتی ہیں۔ کیوں کہ اس رشتے کا بھرم اعتماد پر قائم ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ اعتماد متزلزل ہوجاتا ہے تو ازدواجی رشتے کی ساری کڑیاں بکھرنے لگتی ہیں۔ اس بکھراؤ کے ساتھ ہی ازدواجی زندگی کے معاملات میں ایسے انسانی رویوں کی گنجائش نکلتی ہے جو انسانی وجود پر سوالیہ نشان کھڑا کردیتے ہیں۔ مذکورہ افسانے میں بھی محض ایک انجانی خوشبو سے صاحب جی کے رویے کی ایک ایسی گنجائش نکلتی ہے جس سے بیگم صاحبہ کا اعتماد متزلزل ہونے لگتا ہے۔ افسانہ ''خوشبو'' میں جو واقعہ بیان ہوا ہے، اُس کی موضوعی معنویت اس بات میں مضمر ہے کہ داخلی اور خارجی زندگی کی بنیاد پر انسانی رویوں میں عدم مطابقت یا عدم یکسانیت کی گنجائش زیادہ رہتی ہے۔ صاحب جی کی خارجی زندگی اگرچہ نفاست پسند، ہم درد، شائستہ اور مخلص معلوم ہوتی ہے لیکن جیسے ہی اُن کی داخلی زندگی پر سے پردہ اُٹھتا

ہے تو وہ مخرب الاخلاق اور مخرب الاعمال، نا قابل اعتماد، دغا دینہارا، ہستی بے اعتبار کا پیکر نظر آتا ہے۔ دیکھا جائے تو موجودہ دور کے انسان کے عالمِ سپردگی نے ایک ایسے Hybrid فرد کو وجود بخشا ہے جس کی بقا کا تحفظ ہی صاحب جی کی طرح اپنی ہی ریاکاری اور مکاری میں مضمر ہے۔ افسانہ نگار صاحب جی کی بے اعتباری سے زندگی کی مہملیت اور رشتوں کی شکست وریخت سے قاری کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے ہی اہم اور نازک انسانی رشتے یا تعلقات بھی بے معنی اور بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ راوی بہ ظاہر قاری کو اضافی ازدواجی تعلقات پر مبنی ایک قصہ سنا رہا ہے لیکن بیانیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسانی وجود کے ایک ایسے پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے جو بہ ظاہر موہومیت کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن در پردہ سطحیت اور اخلاقی دیوالیہ پن، بے پروائی، کھوکھلے پن، وجودیاتی بے معنویت کا اظہار ہے۔ راوی دراصل قاری کو واقعہ کے ذریعے ایک خاص کیفیت کا احساس دلانا چاہتا ہے کہ جب صاحب جی جیسا انسان اپنی شخصیت اور وجود سے لاتعلق یا بے خبر ہو جائے تو اُس کے رویے میں عجیب وغریب تاثرات قائم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ صاحب جی کی شخصیت اور وجود کا ایک رُخ فرضی، بناوٹی یا یوں کہہ لیجیے کہ اشتہاری ہے۔ جب وہ اعتبار کی عمارت کو زمین بوس کر کے رشتے کا بھرم توڑ دیتا ہے تب اُس کی شخصیت اور وجود کا دوسرا رُخ پراسرار اور نا قابل فہم معلوم ہونے لگتا ہے۔

ہمارے یہاں روایتی افسانے کا اصول یہ ہے کہ مشاہدہ اور تجربے پر مبنی قصہ تب تک افسانے کا حصہ نہیں بن سکتا ہے جب تک اُس میں ڈرامائی عناصر تلاش نہ کیے جائیں۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ کہانیاں محض کسی واقعے کے اظہار کے لیے نہیں لکھی جاتی ہیں۔ پریم چند نے کہا تھا کہ ''اُن کا قلم تب تک افسانے کے لیے نہیں اُٹھتا ہے جب تک کہ نہ اُنھیں کسی بھی واقعے سے فلسفیانہ یا جذباتی حقیقت کے اظہار کی بنیاد فراہم نہیں ہوتی ہے۔'' یعنی اُن کے نزدیک کوئی واقعہ افسانہ نہیں ہوسکتا تاوقت یہ کہ وہ کسی نفسیاتی حقیقت کا اظہار نہ کرے۔ اس مناسبت سے روایتی افسانے کو واقعہ کے ڈرامائی عناصر، پلاٹ کی منطقی ترتیب وتنظیم، بیانیہ کی تاثیر اور ادبی خوبیاں کامیاب بناتے ہیں۔ اس طرح افسانے کا آغاز غیر متوقع اور ڈرامائی انداز میں ہونا چاہیے تاکہ قاری پر گرفت کر سکے اور اس کے ذہن میں

ایک ساتھ کئی سوال پیدا کرے کہ ایسا کیوں ہوا؟، کیسے ہوا؟، کیوں کر ہوا؟، کس نے کیا؟ وغیرہ۔ دوسری بات یہ کہ کردار بالاختصار پیش کیے جائیں کیوں کہ روایتی افسانے کے بیانیہ میں اس بات پر بھی تنقید ہوئی ہے کہ اس میں کرداروں کی داخلی زندگی کی وضاحت، تفصیل اور آپسی کش مکش پر زیادہ ارتکاز کیا جاتا ہے اور اصل واقعے کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ فاروقی نے اس بات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے Tha Nature of Narration کے مصنف کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ کردار نگاری میں کردار کی داخلی زندگی کے عناصر جتنے کم ہوں گے اُتنا ہی افسانے کے دوسرے عناصر دلچسپ ہوں گے۔ تیسری بات یہ کہ منظر نگاری اور تفصیل نگاری سے زیادہ اُلجھاؤ نہ پیدا کیا جائے، پلاٹ کی اکائی کا خیال رکھا جائے اور نقطہ عروج پر پہنچتے ہی ڈرامائی انداز میں ختم کیا جانا چاہیے۔ اب ان تمام چیزوں کو موثر اور قابل قبول بنانے کے لیے افسانہ نگار Rhetorical Techniques کا استعمال کرتا ہے۔ کیوں کہ یہی Techniques افسانے کے جملہ عناصر یعنی پلاٹ، حالات و واقعات، خیالات و احساسات اور کیفیات کو More Appealing بناتے ہیں۔ اس کے بعد افسانے میں پیش کیا جانے والا واقعہ محض اظہار تک محدود نہیں رہتا بلکہ اُس میں دلچسپی کے عناصر بھی جمع ہو جاتے ہیں اور بہ قول فاروقی وہی دلچسپی قاری کو سوچنے پر بھی مجبور کرتی ہے اور اُسے افسانے کے بیانیہ پر کئی سوالات قائم کرنے کے لیے اُکساتی ہے۔ اس تناظر سے دیکھا جائے تو افسانہ ''خوشبو'' اگر چہ کسی فلسفیانہ یا جذباتی حقیقت کی بنیاد فراہم نہیں کرتا ہے تاہم ایک نفسیاتی حقیقت کا اظہار ضرور ہے۔ روایتی افسانہ نگاری کے تناظر سے افسانے کا آغاز غیر متوقع اور ڈرامائی انداز میں نہیں ہوا ہے۔ غیر متوقع اور ڈرامائی انداز قاری اور واقعہ کے آپسی تعامل کے لیے لازم ہوتا ہے تاکہ شروع ہی میں قاری کو ایسی کیفیت کا احساس دلایا جائے جو اُس میں پہلے دلچسپی اور پھر آگے تجسس پیدا کرے۔ یہی چیز دراصل اُس کی فکرمندی کو برانگیخت کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے یہاں روایتی افسانے میں مربوط اور منضبط پلاٹ کا ہونا لازم ٹھہرتا ہے تاکہ افسانویت اور دلچسپی برقرار رہے اور قاری لطف اندوز ہو سکے۔ اس تناظر سے دیکھا جائے تو مذکورہ افسانے کے پلاٹ میں کہیں کہیں غیر مربوطیت اور غیر منطقیت کا

احساس ہوتا ہے۔ پلاٹ میں کئی واقعات ایسے بھی ہیں جنھیں اگر حذف بھی کر دیا جائے تب بھی پلاٹ پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ حالاں کہ روایتی افسانے کے پلاٹ کی خاصیت یہ ہے کہ اگر کوئی بھی واقعہ حذف کر دیا جائے تو اُس میں بے ربطگی پیدا ہو جاتی ہے اور گمشدہ کڑیوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پلاٹ میں واقعات کی ترتیب و تنظیم علت و معلول یعنی Cause and Effect پر انحصار کرتی ہے۔ تاکہ پلاٹ کا ہر واقعہ اصل واقعہ کے تعلق سے کوئی نئی بصیرت یا آگہی یا کوئی نیا پہلو بیان کرے۔ پلاٹ کی غیر منطقی ترتیب اور واقعات کی غیر ضروری تفصیل قاری کو اُلجھا سکتی ہے اور اُسے اصل واقعے سے دُور کر سکتی ہے۔

جہاں رقیہ کے پکوان لانے پر صاحب جی کے غصے کا بیان ہے، اُس کے فوراً بعد رقیہ کے شوہر کا شخصی تعارف اور رقیہ کے دن بھر کے فالتو کام کا بیان ہے۔ اُس کے بعد پھر صاحب جی کے غصے کے واقعے کی مزید کڑیاں بیان ہوئی ہیں۔ یہاں درمیانی کڑی جہاں رقیہ کے شوہر کے بارے میں بیان ہوا ہے بالکل غیر منطقی معلوم ہوتی ہے۔

جہاں رقیہ کے پکوان پر صاحب جی کو غصہ ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے؛ وہیں صاحب جی کے مزاج اور اُن کی نفاست کے بارے میں، پلاٹ کے واقعات کے علت و معلول یعنی Cause and Effect کے تناظر سے بیان ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ دونوں واقعات الگ الگ بیان ہوئے ہیں۔

افسانے کے آغاز میں رقیہ کو کرایہ پر رکھنے کا بیان ملتا ہے۔ اُس کے فوراً بعد وہ بیان ہونا چاہیے جہاں رقیہ کو دوبارہ آوٹ ہاوس میں رکھنے کی علت بیان کی ہوئی ہے۔ لیکن اس واقعے کے درمیان رقیہ کا بیگم صاحبہ سے کئی چیزیں مانگنے کا بیان ملتا ہے جو کہ واقعات کی منظّم ترتیب کے منافی ہے۔

اسی طرح بیگم صاحبہ کے والد کے فون کا بیان بھی اچانک اور غیر منطقی انداز میں شروع ہوتا ہے۔

بیگم صاحبہ کے میکے جانے کے بیان کے فوراً بعد اگر افسانے کا آخری واقعہ بیان کر دیا جائے تب بھی افسانہ مکمل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس درمیان بیگم کے والد کا تفصیلی بیان ہے

جس میں وہ بیٹیوں کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ پلاٹ کے نقطۂ عروج کا حصہ ہے۔ جہاں وحدت تاثر اپنی شدت کو پہنچنا چاہیے تھا، وہاں اُس شدت میں کمی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

جہاں تک افسانے میں کردار نگاری کا تعلق ہے، اس حوالے سے فاروقی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ ''اگر افسانہ نگار قاری کو واقعہ سنا رہا ہے اور قاری کو کردار کی تلاش پر اصرار ہے تو یہ لامحالہ افسانہ نگار کے ساتھ ناانصافی ہے۔'' اب جہاں معاملہ یہ ہو کہ ایک بیانیہ میں Rhetorical Stretegy سے بھی کام نہ لیا گیا ہو اور کردار کی داخلی زندگی کی وضاحت سے بعض جگہ واقعہ بھی پس پشت ڈال دیا گیا ہو، اُس صورت حال میں کیا کیا جائے؟ مذکورہ افسانے کے کردار اگر چہ مجملاً پیش کیے گئے ہیں جو کہ اس کی خصوصیت ہے لیکن بعض جگہوں پر اُن کی داخلی زندگی کے تعلق سے جو تفصیل بیان کر دی گئی ہے وہ اصل واقعہ کے تعلق سے اُلجھاؤ کا سبب نہ سہی لیکن اضافی ضرور معلوم ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ہنری جیمس کا ماننا ہے کہ واقعہ ہی کردار کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے لیے الگ سے کردار کے تعلق سے وضاحت کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ یعنی کردار اور واقعہ کا آپسی تعامل ہی افسانے کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ مذکورہ افسانے میں واقعہ اور کردار کے آپسی تعامل میں کہیں واقعہ کردار پر حاوی ہو جاتا ہے اور کہیں کردار کی وضاحت سے واقعہ پس پشت پڑ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر صاحب جی کو رقیہ کا گھر آنا اچھا نہیں لگتا ہے لہذا وہ بیگم صاحبہ سے رقیہ کو گھر آنے پر منع کر دینے کے لیے کہتے ہیں؛ لیکن بیگم صاحبہ ایسا کرنے سے صاف انکار کرتی ہیں، اس کے باوجود بیگم صاحبہ کا گھنٹوں رقیہ سے باتیں کرنا، بیگم صاحبہ کا رقیہ کو صاحب جی کی موجودگی میں گھر آنے سے منع کرنا، خود بیگم صاحبہ کا اچانک رقیہ سے بے رُخی اختیار کرنا وغیرہ اصل واقعے یا کردار کے تعلق سے غیر ضروری اضافے معلوم ہوتے ہیں جو کہ واقعے اور کردار کے حوالے سے اُلجھاؤ کا سبب بنتے ہیں۔ صاحب جی کے کردار کے تعلق سے بعض تفصیلات غیر مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ مثال ایک جگہ صاحب جی کو مالدار اور اچھے عہدے پر فائز ہونے کا بیان ہے۔ دوسری بار یہی تفصیل اُس بیان میں بھی شامل ہے جہاں بیگم صاحبہ رقیہ کو صاحب جی کی موجودگی میں گھر آنے سے منع کر دیتی ہے۔ اسی

طرح صاحب جی کے مزاج اور طبیعت کی تفصیل اُس بیان میں دی جاتی ہے جہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ صاحب جی مرغا پکانا سیکھ گئے ہیں۔ دیکھا جائے تو مرغا پکا لینے کی تفصیل بالکل غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس ضمن میں افسانے کے پلاٹ کے تعلق سے غضنفر علی نے ایک بات کہی ہے کہ اگر افسانہ نگار نے پلاٹ میں یہ بتایا کہ دیوار پر بندوق ٹنگی ہے تو سمجھ جایئے کہ افسانے میں اُس بندوق کا چلنا لازم ہے۔ اسی طرح بیگم صاحبہ کے والد کا اپنی بیٹی کا دیدار کرنے کے بیان کو بچکانہ حرکت سے تعبیر کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ عمر رسیدہ ہوتے ہیں۔ لیکن اسی واقعے میں بیگم صاحبہ کے والد کی بے چینی اور بیٹی کا دیدار کرنے کی خواہش کی وجہ بیگم صاحبہ کی والدہ کی وفات بتایا جاتا ہے۔

وحدت تاثر اگر چہ روایتی افسانے کے لیے ایک لازمی جز قرار دیا جاتا ہے کہ پلاٹ کی ترتیب و تنظیم میں واقعات کے ارتقائی عمل سے ہی اصل واقعہ اپنے نقطہ عروج کو پہنچ کر ڈرامائی انجام تک پہنچ جاتا ہے، جہاں کچھ ایسا انکشاف ہو جاتا ہے جو قاری کے ذہن میں کئی طرح کے سوال قائم کر سکتا یا ایسی ڈرامائی کیفیت پر اختتام ہو جائے جو قاری کے ذہن پر کئی سوالات چھوڑ سکتا ہے۔ مذکورہ افسانے میں بھی وحدت تاثر ہے جو کہ قاری پر ایک مخصوص تاثر چھوڑتا ہے۔ آغاز میں افسانہ نگار قاری کو گرفت میں لینے کے لیے ایک مخصوص تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جیسے ہی افسانہ آگے بڑھتا ہے، اُس مخصوص تاثر کی شدت مزید بڑھنے کی بجائے کم ہونے لگتی ہے۔ مثال کے طور پر افسانے کے اُس حصے تک جہاں صاحب جی بیگم صاحبہ کو رقیہ کے گھر آنے پر سخت منع کرتا ہے؛ ایک ہی تاثر برقرار رہتا ہے۔ اُس کے بعد بیانیہ میں کچھ غیر ضروری عناصر در آنے کی وجہ سے تاثر کی شدت کسی قدر کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جہاں صاحب جی کے مزاج کے تعلق سے بیان ہے وہاں بھی چند غیر ضروری وضاحتیں در آئی ہیں۔ بیگم صاحبہ اور اُن کا مکالماتی حصہ تاثر کی شدت کو بڑھانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ انجام سے قبل کا حصہ افسانے کے نقطہ عروج کا ہوتا ہے جس میں کسی بھی غیر ضروری تفصیل کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہوتی ہے۔ لیکن یہاں بھی بیگم صاحبہ کو میکے بھیجنے کا بیان ہے۔ اگر اس میں اختصار اور غیر ضروری وضاحت سے احتراز کیا گیا ہوتا تو وحدت تاثر اپنی شدت کے ساتھ افسانے کے انجام تک قائم رہتا ہے۔

مذکورہ افسانے کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ کہیں کہیں شستہ وشگفتہ بیانی سے ادب کی ادبیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن کئی جملوں کی نحوی ساخت کمزور پڑنے کی وجہ سے ادبیت برقرار نہیں رہ سکی ہے۔ جس کے نتیجے میں بعض جملے معنوی اعتبار سے بوجھل معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں غیر مناسب الفاظ کے اضافے نے بھی جملوں کی فصاحت میں رخنہ ڈال دیا ہے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر لفظی تکرار کی وجہ سے بھی جملے کی ساخت معنوی اعتبار سے کمزور معلوم ہوتی ہے۔ بعض جملے ایسے بھی ہیں جن میں زمانی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

☆ اپنے کپڑوں کی گٹھری لے کر وہ بیگم صاحبہ کے گھر کے اندر آئی اور اُس کمرے کو دیکھنے چلی گئی جو اُس کو کرایہ پر لینا تھا۔

☆ وہ خود مالدار تھے اور اچھے عہدے پر رہ چکے تھے۔ (وہ اچھے عہدے پر فائز تھے) اس کے علاوہ اچھے کھاتے پیتے گھر کے بھی تھے۔ (کھاتے پیتے گھرانے سے تھے)۔

☆ رقیہ کو کمرہ پسند آیا اور بیگم صاحبہ نے بھی اس کو بہت کم روپیوں کے عوض میں کرایہ پر دے دیا۔

☆ رقیہ کے ساتھ اُس کا شوہر اور اُس کا ایک بچہ بھی تھا۔

☆ وہ ہندوستان کے کسی مسلمان علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور اُن (لیکن اُن) کا رہن سہن پنجابیوں جیسا تھا۔

☆ اُس کو (اُسے) جس چیز کی ضرورت پڑتی تو خریدنے سے پہلے بیگم صاحبہ (سے پوچھتی تھی) کے پاس پوچھنے آتی۔

☆ میاں بیوی ماں کو لے کر اکیلے اتنے بڑے بنگلے میں رہتے تھے۔
(اتنے بڑے بنگلے میں دونوں میاں بیوی ماں کے ساتھ اکیلے رہتے تھے۔)

☆ وہ اپنے کمرے میں کچھ بھی پکاتی تھی تو بیگم صاحبہ کے لیے پلیٹ میں لے کر آتی۔
(وہ جو کچھ پکاتی تھی، بیگم صاحبہ کو بھی کھلاتی تھی)

☆ رقیہ کا شوہر کشمیر آ کر ترکھانی کا کام کرتا تھا۔ (بڑھئی)

☆ وہ سمجھتی تھی اگر بات اچھی نہ ہو تو (بعض باتوں سے) کسی کے دل کو ٹھیس لگ سکتی

(ٹھیس پہنچ) ہے۔

☆ جب صاحب جی گھر کے اندر ہوں تو تم اندر مت آیا کرو۔
(صاحب جی کی موجودگی میں یہاں نہ آیا کرو)

☆ بیگم صاحبہ کو بھی یہی اچھا لگتا تھا کہ وہ اپنے گھر کا کام اپنے گھر کے اندر کرے۔

☆ رقیہ کو بھی اندر ہی اندر کھٹک رہا تھا۔

☆ لذیز کھانا کھانے کے عادی ہو چکے تھے۔

☆ پکاتی وہ بڑا مزہ دار تھی۔ (اُس کے پکوان بڑے ہی مزے دار ہوتے تھے)

☆ بہت دنوں کے بعد بیگم صاحبہ کے ابا نے اُن کو فون کیا۔ (بہت دنوں کے بعد بیگم صاحبہ کو ابا کا فون آیا)

☆ اُس کی آنکھوں سے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے۔

☆ اُس نے گھر کے اندر قدم رکھا بھی نہیں تھا کہ اُسے لگا آج اُس کا گھر ایک انجانی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

☆ ابا کی نظر سارا دن دروازے پر رہتی ہے۔ (پورے دن ابا کی نظریں دروازے پر ٹکی رہتی ہیں۔)

اسی طرح بعض جملے ایسے ہیں جن میں کوئی زمانی ترتیب نہیں ہے۔ یعنی جملے کے اختتام پر اس بات کا پتا ہی نہیں چلتا ہے کہ فعل کے ظاہر ہونے کا زمانہ کون سا ہے۔

رقیہ دن میں ہزار بار بیگم صاحبہ کے پاس آتی (تھی؟)۔ر بیگم صاحبہ کے پاس پوچھنے آتی (تھی؟)۔ر بیگم صاحبہ کے لیے پلیٹ میں لے کر آتی (تھی؟)۔ر بیگم صاحبہ اُس کو منع کرتی رہتی (تھی؟)۔ر غصے سے لال پیلا ہوتا (تھا؟)۔

افسانے میں جہاں تک شخصی ضمائر کے استعمال کا تعلق ہے؛ بعض ضمائر اپنی عام حالت میں استعمال ہوئے ہیں، بعض کے یہاں تعظیمی صورت اختیار کی گئی ہے جب کہ کئی جملوں میں ضمائر کی دونوں صورتیں ایک ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ مثال

اُسے ایک ایسی فیملی کی ضرورت تھی جو اُن کے گھر کی رکھوالی کرتے۔ر اُس (اُن) کا منہ غصے سے لال پیلا ہوتا۔ر اُس کی بیگم اُسے پوچھتی۔ (اُن کی بیگم نے

پوچھا)/اُس (اُن) کی بیگم نے منع کر دیا۔/اُنھوں (اُس) نے ابا کے فون کے بارے میں بتا دیا/ہم (میں) مرغا پکا کر کھائیں گے (کھاوں گا)۔/اب ہمارا (میرا) دھیان اُن کی طرف زیادہ ہونا چاہیے۔/ہم (میں) بھی گھر کے ساتھ اُلجھ کر رہ گئے (گئی)۔/دیدار تو ہم (میں) آپ کا کریں گے (کروں گی)۔

اسی طرح ایک ہی واقعے میں افعال کی عام حالت کے ساتھ ساتھ افعالِ تعظیمی بھی استعمال کیے گئے ہیں۔مثال

آپ چلی جائیں (تم چلی جاو)۔/خدارا جایئے (جاو)۔/اپنے والد کو یوں نہ تڑپایئے (تڑپاو)۔/آنکھیں ترس گئیں تھیں (گئی تھیں)

کسی بھی عبارت میں لفظی تکرار عیب کا سبب بنتی ہے۔اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بعض جملے فصاحت سے بھی عاری ہو جاتے ہیں۔مذکورہ افسانے میں بھی اکثر جملوں میں لفظی تکرار دیکھنے کو ملتی ہے،جس کی وجہ سے کئی جملے معنوی اعتبار سے کمزور معلوم ہوتے ہیں۔مثال

رقیہ کے ساتھ اُس کا شوہر اور اُس کا ایک بچہ۔/دیدی دیدی کہتے کہتے۔/چھم چھم کر کے ادھر سے آتی اُدھر سے جاتی۔/جب صاحب جی گھر کے اندر ہوں تو تم اندر مت آنا۔/خود پکاری تھی اور خود گھر کا کام کرتی۔/گلے بھی ہوئے، شکوے بھی ہوئے۔

زبان کے تخلیقی برتاو کا تقاضا یہ ہے کہ الفاظ کے دروبست،نشست و برخواست،تقدم و تاخر کے ساتھ ساتھ موزونیت اور مناسبت کا خاص خیال رکھا جائے۔اگر اس طرف توجہ کی جائے تو زبان کے خلاقانہ اور صناعانہ استعمال کا ہنر خود بہ خود آتا ہے۔لیکن مذکورہ افسانے میں غیر مناسب،ناموزوں اور نامانوس الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔:مثال

زمین زراعت (زمینیں)/فیملی کی ضرورت (کرایہ دار کی ضرورت)/فالتو چیزیں (اضافی چیزیں)/کبھی وہ تو کبھی یہ لے کر آتی (انواع و اقسام کے پکوان)/منہ غصے سے لال پیلا (غصے سے لال)/اُس کی بیگم اُسے پوچھتی (بیگم نے پوچھا)/اُس کی بیگم نے منع کر دیا (بیگم نے منع کرتے ہوئے کہا)/ترکھانی (بڑھئی)/واپس مڑتا (واپس لوٹتا)/پاؤں میں پائل پہن کر (پائل پہن کر)/اُس کے وہاں (اُن کے

یہاں)/ صاحب جی شستہ مزاج کے آدمی تھے (نفاست پسند تھے)/تمہارے آنے سے دل کا سکون آتا ہے(دل کو سکون آتا ہے)/ گلے بھی ہوئے شکوئے بھی ہوئے (گلے شکوئے ہوئے)/ چوں و چرا(چوں چرا)/ ابا نے بیٹی کو دیکھ کر ہی (دیکھتے ہی)

دیکھا جائے تو جس طرح انسانی تجربہ کسی مخصوص زمان و مکاں کے پس منظر میں تشکیل پاتا ہے؛ اُسی طرح افسانے میں بھی ہر واقعہ کسی مخصوص زمانے اور ماحول میں رونما ہوتا ہے۔اگر افسانے میں اس زمانی و مکانی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا تو اصل واقعہ اور کرداروں میں غیر مطابقت پیدا ہوجاتی ہے۔ مذکورہ افسانے میں بھی زمانی و مکانی تصامحات سے واقعہ اور کردار میں غیر ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے۔: مثال

بیگم صاحبہ رقیہ کو صاحب جی کے کہنے کے باجود بھی کئی دن گھر آنے سے منع نہیں کرتی ہیں، جب کہ اُن کے درمیان گھنٹوں باتیں ہوتی رہتی ہیں۔اس دوران کوئی ایسی وجہ یا کیفیت بیان نہیں ہوئی ہے جس سے تاخیر کی وجہ مستخرج کی جاسکتی ہے۔

جہاں بیگم صاحبہ کے والد کے فون کا واقعہ بیان ہوا ہے؛ وہاں آغاز میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ''بہت دنوں کے بعد ابا کا فون آیا۔'' پھر اسی واقعے میں یہ بھی بیان ہوتا ہے کہ ملے ہوئے بہت عرصہ بھی نہیں ہوا ہے کیوں کہ حال ہی میں بیگم صاحبہ کی والدہ کا انتقال ہوا تھا۔

بیگم صاحبہ اور اُن کے والد کے درمیان فون پر مکالمے کے آغاز میں کہا جاتا ہے کہ ''بیگم صاحبہ فون پر رو پڑی''۔لیکن اسی مکالمے کا اختتام اس بات پر ہوتا ہے کہ ''بیگم کی آنکھیں نم ہوگئیں۔''

افسانے کے راوی نے ایک دو جگہوں پر بیگم صاحبہ کو بیٹی کہہ دیا۔ جب کہ بیگم صاحبہ کہنا ہی افسانے کے بیانیہ کا تقاضا ہے۔مثال

ابا نے بیٹی کو دیکھ کر ہی من بنا لیا (ابا نے بیگم صاحبہ کو دیکھتے ہی من بنا لیا)/ بیٹی نے بھی زیادہ چوں و چرا نہیں کیا (بیگم صاحبہ نے بھی زیادہ چوں چرا نہیں کی) بہر صورت موضوع کے اعتبار سے اگر چہ افسانہ کسی قدر اہمیت کا حامل ہے؛ لیکن زبان و بیان اور روایتی طرز کے افسانے کے فنی اصول وضوابط کی سطح پر بعض ایسی خامیاں در آئی ہیں جن

سے افسانے کی ساخت متاثر ہوئی ہے۔جس کی وجہ سے افسانے میں بیانیاتی بے ترتیبی کا احساس ہوتا ہے۔اس طرح افسانہ اظہار اور اسلوب کے حوالے سے کمزور پڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔اگر اس افسانے کی نظر ثانی کی جائے اور اس میں موجود زبان و بیان کی جملہ خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور زبان کے تخلیقی برتاو پر ارتکاز کیا جائے؛ تو افسانہ بہتر ہوسکتا ہے۔

○○○